غیرمسلموں میں تبلیغ ودعوت کی شرعی حیثیت

اوراس کی ضرورت واہمیت

مولانا عتیق احمد بستوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

قرآن پاک نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ آخرت میں انسان کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار ایمان وکفر پر ہے۔ مومن اپنی تمام بداعمالیوں کے باوجود ایک نہ ایک دن جنّت کی ابدی غیرفانی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا اور کافر اپنی تمام خوبیوں، بلند انسانی صفات اور حسنِ کردار کے باوجود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم کے ناقابلِ تصور زہرہ گداز عذاب میں گرفتار رہے گا، کیونکہ کافر خدا کا باغی ہے، اور گنہگار مسلمان نافرمان لیکن پشیمان رعیت ـــــ اسی لیے اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کو کفر کی ہولناکیوں سے بچانے اور ایمان کی فرحت بخش، روح افزا وادی میں لانے کے لیے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے انبیاء کرام تشریف لاکر توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اس پاک جماعت نے ہر قسم کے مظالم وسختیاں جھیل کر حق کا آوازہ بلند کیا۔ کفر وشرک کی مذمت اور اس کے خطرات سے آگاہ کرنا اس مقدس جماعت کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ انبیاء کرام نے اس سلسلے میں ادنیٰ غفلت ومداہنت سے کام نہیں لیا بلکہ پوری دنیا سے لڑائی مول لے کر، اپنے والدین، بھائیوں، عزیزوں کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔

نبی آخرالزماں کے بعد تبلیغِ اسلام کی ذمہ داری کس پر ؟

نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سنہرا سلسلہ مکمل ہو گیا اور اللہ جل شانہ، نے اس سلسلہ کے بند ہونے کا اعلان فرما دیا۔ آپ کو خاتم النبیین کے عظیم الشان لقب سے نوازا گیا۔ مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد دنیا سے بالکل کفر و شرک مٹ گیا اور دنیا کا ہر فرد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اس لیے کسی رسول و نبی کو مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں رہی ؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ شرک و کفر پورے زور و قوت کے ساتھ نئی نئی شکلوں میں تاریخ کے ہر دور میں موجود رہے اور اب تک چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار ہے۔ تو پھر کیا (نعوذ باللہ) اللہ جل شانہ، کو انسانوں سے پہلی سی ہمدردی نہیں رہی، ان پر پہلی سی شفقت نہیں رہی کہ انسان چاہے ہلاکت و بربادی کے کسی عمیق و پُرخار غار میں گرے۔ خداوند تعالیٰ کو اس کی ذرا بھی پروا نہیں — اللہ جل شانہ، کے بارے میں ایسی بدگمانی کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اس کی ذات و صفات تغیر پذیر نہیں ہیں پہلے کی طرح اب بھی وہ بندوں پر انتہائی شفیق و مہربان ہے، اس کی شفقت و محبت ماں باپ کی شفقت و محبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو اب قابل تحقیق بات یہ ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توحید کی تبلیغ و دعوت اور کفر و شرک کے دلدل سے انسانیت کی کشتی نکالنے کا کام اللہ جل شانہ، نے کس فرد یا جماعت کے سپرد فرمایا۔ ؟

دعوتِ اسلام اور امت مسلمہ

قرآن و حدیث پر جس شخص کی تھوڑی سی بھی نظر ہے وہ بہ آسانی بتا سکتا ہے کہ اللہ جل شانہ، نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ نازک اور اہم ذمہ داری امت محمدیہ کے سر ڈالی ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کو امت

محمدیہ کا سرمایۂ عز و افتخار قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٓئک ھم المفلحون۔[1]

اور تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف لوگوں کو دعوت دیا کریں اور نیک کاموں کا حکم کیا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

اسی سورت میں چند آیتوں کے بعد ارشاد باری ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ[2]

تم اے امت محمدیہ، بہترین امت ہو، ایسی امت جو عام لوگوں کے فائدے کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوتِ دین کی شرعی حیثیت پر متعدد آیات اور بے شمار احادیث سے روشنی پڑتی ہے لیکن مذکورہ بالا دونوں آیتیں اس بارے میں بہت واضح اور صریح ہیں۔ دوسری آیت میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر ہی کی بنا پر امت مسلمہ کو خیر امت کا خطاب دیا گیا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سب سے بڑا معروف ایمان و توحید اور سب سے بڑا منکر کفر و شرک ہے۔ لہذا یہ چیزیں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے دائرے میں سب سے پہلے آتی ہیں۔ پہلی آیت میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے علاوہ مستقل طریقہ پر دعوت الی الخیر کو بھی امت محمدیہ کا فریضہ بتایا گیا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا خیر ایمان و توحید ہے بلکہ ہر چھوٹے بڑے خیر کی قبولیت کی اولین شرط ایمان و توحید کا وجود ہے، پھر وہ دعوت

---

[1] سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴۔ [2] سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰۔

الی الخیر میں کیوں داخل نہیں ہوگا۔

ان آیات کی روشنی میں علماء و مفسرین کا اجماع ہے کہ دعوت الی الخیر جس کا سب سے اہم شعبہ غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوتِ دین ہے، امت مسلمہ کے ذمہ فرض ہے، آیئے اس بارے میں مفسرین کے اقوال پر ایک نظر ڈالیں۔

مفسرین کی تشریحات علامہ فخر الدین رازیؒ پہلی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

نقول اما الدعوة الی الخیر فافضلها الدعوة الی اثبات ذات الله وصفاته وتقدیسه عن مشابهة الممکنات وانما قلنا ان الدعوة الی الخیر تشتمل علی ما ذکرنا لقوله تعالیٰ وادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة الخ۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ دعوت الی الخیر میں سب سے افضل اللہ کی ذات و صفات کو ثابت کرنے اور ممکنات کی مشابہت سے اللہ جل شانہٗ کے بلند و پاک ہونے کی دعوت ہے، ہم نے مذکورہ بالا چیزوں کو دعوت الی الخیر میں اس ارشاد باری کی روشنی میں شامل کیا ہے "آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے، الخ

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ومن الناس من فسر الخیر بمعروف خاص وهو الایمان بالله تعالیٰ وجعل المعروف فی الآیة ما عداه من الطاعات .... ویؤیده ما اخرجه ابن ابی حاتم عن مقاتل ان الخیر الاسلام والمعروف

بعض لوگوں نے تفسیر کی ہے کہ خیر سے مراد اللہ جل شانہٗ پر ایمان ہے اور معروف سے ایمان کے علاوہ دوسری طاعات مراد ہیں۔ اس کی تائید ابن ابی حاتم کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ مقاتل سے مروی ہے کہ خیر سے مراد

[1] تفسیر کبیر، ص ۲۰، ج ۳۔

طاعة الله والمنکر معصیته [۱]

اسلام ہے معروف سے مراد اللہ کی اطاعت اور منکر سے مراد اللہ کی نافرمانی ہے۔

علامہ رشید رضاؒ زیادہ وضاحت سے اسی بات کو لکھتے ہیں:

ثم ان هذه الدعوة الی الخیر والامر والنهی لها مراتب فالمرتبة الاولی هی دعوة هذه الامة سائر الامم الی الخیر وان یشارکو هم فیما هم علیه من الفوز والهدی وهوالذی یتجه به قول المفسر ان المراد بالخیر الاسلام [۲]

پھر اس دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے چند درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ یہ امت دوسری قوموں کو بھلائی کی دعوت دے اور اسے جو فوز و فلاح اور ہدایت حاصل ہے اس کی طرف دوسری قوموں کو بلائے۔ اسی سے مفسر کے اس قول کی توجیہ ہوتی ہے کہ خیر سے اسلام مراد ہے۔

دعوتِ اسلام فرض عین یا فرض کفایہ؟

علماء کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر امت مسلمہ پر فرض ہے۔ لیکن ایک گروہ نے اسے فرض عین کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر مسلمان پر اس فریضہ کی ادائیگی حسب استعداد اور حسب حال ضروری ہے۔ اکثر علماء نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

مشہور مفسر ابو حیان اندلسی آیت ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر کے تحت لکھتے ہیں ”ظاہر یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا قول منکم بعضیت پر دلالت کرتا ہے، ضحاک اور طبری نے یہی بات کہی ہے، کیونکہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی صلاحیت انھیں لوگوں میں ہے جو معروف و منکر سے واقف ہوں، اور اس فریضہ کی ادائیگی کے طریقہ سے واقف ہوں۔ کیونکہ جو شخص ناواقف ہے وہ بسا اوقات منکر کا حکم دینے لگے گا۔

[۱] روح المعانی ص ۲۱ ج ۲۔ [۲] تفسیر المنار ص ۲۷ ج ۴

اور معروف سے روکنے لگے گا اور کبھی اپنے مذہب (فقہی مذہب و مسلک) کا کوئی حکم جو دوسرے مذہب کے خلاف ہے اس کے بارے میں امر و نہی کرنے لگے گا، کبھی نرمی کے موقع پر سختی کرے گا کبھی سختی کے موقع پر نرمی کرے گا۔ اس بنیاد پر "من" تبعیض کے لیے ہے اور اس حکم کا تعلق امت کے بعض افراد کے ساتھ ہے، جن میں اسے انجام دینے کی اہلیت و صلاحیت ہے۔ جمہور کی رائے یہی ہے کہ یہ کام فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض افراد اس کام کو انجام دے لیں تو دوسروں کے ذمہ سے بھی ساقط ہو جائے گا۔ علماء کی ایک جماعت اسے فرض عین کہتی ہے کہ ہر مسلمان کے ذمہ اس کی قدرت اور استطاعت کے لحاظ سے امر بالمعروف نہی عن المنکر ضروری ہے۔"[۱]

آخری دور کے مفسرین میں شیخ محمد عبدہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے فرض عین ہونے کے پرزور حامی ہیں لیکن فرض عین کی نوعیت واضح کرتے ہوئے شیخ محمد عبدہ نے بڑی معتدل اور متوازن بات لکھی ہے "استاذ محمد عبدہ نے فرمایا: امت مسلمہ کا تمام امتوں کو اس خیر و فلاح کی طرف بلانا جو اسے حاصل ہے، اس کا فوری طور پر ہر فرد سے مطالبہ نہیں ہے، ہاں ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنا نصب العین بنا لے اور جب دوسری اقوام کا کوئی شخص اسے ملے تو اس کو دینِ اسلام کی طرف بلائے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد اسی کام کے لیے وقف ہو جائے، اور اس کام کے لیے سفر کرے۔ اس فریضہ کی ادائیگی تو وہ جماعت کرے گی جس نے اس کام کے لیے پوری تیاری کی ہو۔ اور سارے افراد اس وقت یہ فریضہ انجام دیں گے جب ان کے اندر اس کی استطاعت و قدرت پیدا ہو جائے گی۔ یہ کام فریضہ حج کے مشابہ ہے جو فرض عین ہے لیکن انھیں لوگوں پر ہے جن میں استطاعت و اہلیت ہے۔"[۲]

---

[۱] البحر المحیط ص ۲۰ ج ۳ [۲]

جناب مفتی محمد شفیعؒ صاحب معارف القرآن میں آیات بالا کے ذیل میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ان تمام آیات و روایات سے یہی ثابت ہوا کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر امت کے ہر فرد پر لازم ہے۔ البتہ تمام احکام شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت و استطاعت پر احکام دائر ہوں گے...... پھر استطاعت و قدرت ہر کام کی جدا ہوتی ہے۔ امر بالمعروف کی قدرت تو پہلے اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف و منکر اس شخص کو پوری طرح صحیح صحیح معلوم ہو۔ جو شخص خود معروف و منکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عاید ہے کہ واقفیت پیدا کرے اور احکام شرعیہ کے معروف و منکر کا علم حاصل کرے، اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے۔ لیکن جب تک اس کو واقفیت نہیں اس کا اس خدمت کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں...... امر بالمعروف کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد ہی کے لیے قائم رہے، اس کا وظیفہ ہی یہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف بلائے، اور اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ایک ایسی جماعت قائم کریں، کیونکہ ان کی حیات ملی اسی وقت محفوظ رہے گی جب تک یہ جماعت باقی ہے...... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی ضرورت خاص مواقع پر ہوگی جب وہ منکرات دیکھے جائیں لیکن یدعون الی الخیر کہہ کر بتلا دیا کہ اس جماعت کا کام دعوت الی الخیر ہوگا، اگرچہ اس وقت منکرات موجود نہ ہوں یا کسی فرض کی ادائیگی کا وقت نہ ہو...... پھر اس دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔ مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دے، زبان سے بھی اور عمل سے بھی؛"[۵]

---

۵ معارف القرآن ج ۲ ۔ ص ۱۳۶ تا ۱۴۰ ملخصاً۔

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یوں تو اپنی اپنی استطاعت وقدرت کے اعتبار سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت الی الخیر امت مسلمہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے لیکن شریعت کا یہ مطالبہ نہیں ہے کہ امت کا ہر فرد انھیں کاموں کے لیے وقف ہوجائے، ہاں اللہ جل شانہ، کا یہ حکم ضرور ہے کہ امت مسلمہ کے اندر ہر دور میں ایسی جماعت موجود ہو جو غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت اور مسلمانوں میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت الی الخیر کو اپنی زندگی کا نصب العین اور شب وروز کا مشغلہ بنالے۔ ایسی جماعت تیار کرنا، اس کی ضروریات کا تکفل، اور اس کے لیے اسباب ووسائل کی فراہمی مسلمانوں کی اجتماعی اور ملی ذمہ داری ہے۔ اگر امت مسلمہ ایسے افراد سے خالی ہے جو اس فریضہ کو انجام دے سکیں یا ایسے افراد موجود تو ہیں لیکن امت کی سردمہری، اپنی معاشی مجبوری اور دنیوی ضروریات کی بنا پر وہ لوگ اپنے کو اس کام کے لیے وقف نہیں کر پاتے تو پوری ملت اسلامیہ تارک فریضہ قرار پائے گی، جمہور نے اس کام کو جو فرض کفایہ قرار دیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

فرض کفایہ کی حقیقت

اس موقع پر فرض کفایہ کی تھوڑی سی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ فرض کفایہ کا لفظ سُن کر عام طور سے لوگوں کا ذہن نماز جنازہ کی طرف جاتا ہے اور نماز جنازہ پر قیاس کرتے ہوئے ہر فرض کفایہ کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ چند آدمی اگر اس کی ادائیگی کے لیے کھڑے ہوجائیں تو سب کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجاتا ہے، لہذا اگر دنیا کے مختلف گوشوں میں چند افراد بھی تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں تو ساری امتِ مسلمہ گناہ سے بچ جائے گی ــ یہ ساری غلط فہمی فرض کفایہ کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔

اسلام نے جن کاموں کو فرض کفایہ یا واجب علی الکفایۃ قرار دیا ہے ان کا مطالبہ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد سے انفرادی طور پر نہیں ہوتا، بلکہ امت سے اجتماعی طور پر مطالبہ ہوتا ہے کہ

ان کاموں کو بہ حسن وخوبی انجام دے اور اتنے افراد اس کام میں لگ جائیں جو اسے کما حقہٗ انجام دے سکیں۔ اگر ہر شخص نے دوسرے پر ٹال دیا، کوئی اس کی ادائیگی کے لیے تیار نہیں ہوا۔ یا صرف گنے چنے لوگ اس کام میں لگے جو اسے پورا نہ کرسکے تو پوری امت پر ترکِ فریضہ کا وبال ہوگا۔ مثلاً نماز جنازہ اور جہاد فی سبیل اللہ دونوں فرض کفایہ ہیں اگر نماز جنازہ اور میت کی تکفین وتدفین کے لیے ۸۔ ۱۰ آدمی تیار ہو گئے اور انھوں نے حسن وخوبی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دے لیا تو ساری امت گناہ سے بچ گئی، کیوں کہ ۸۔ ۱۰ آدمیوں ہی کے ذریعہ یہ فرض کفایہ انجام پا گیا۔ اس کے برخلاف اگر دشمن سے جہاد وقتال کے لیے صرف پندرہ، بیس افراد تیار ہوئے جو دشمن کا ایک معمولی حملہ بھی نہیں روک سکتے اور دشمنانِ اسلام کی فوج فتحیاب ہوتی رہی تو کیا ان پندرہ بیس افراد کی مستعدی اور جاں نثاری پوری امت کو ترکِ فریضہ کے گناہ سے بچا سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ فریضہ وجہاد سے امت مسلمہ اسی وقت سبکدوش ہو سکتی ہے جب کہ امت کے اتنے افراد اس فریضہ کی ادائیگی میں لگ جائیں جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرسکیں، دشمن کو ناکام وذلیل کر کے اعلاء کلمۃ اللہ کی اہم ذمہ داری پوری کر سکیں۔ اگر عالم اسلام کے ایک خطہ میں مجاہدوں کی سرفروش جماعت موجود ہے جو اس خطہ کی حفاظت اور وہاں اعلاء کلمۃ اللہ کر رہی ہے لیکن دوسرے خطوں کے مسلمان اپنے علاقوں میں فریضۂ جہاد سے غفلت برت رہے ہیں اور ان علاقوں میں کفار ومشرکین مسلمانوں کی جان ومال اور آبرو سے کھیل رہے ہیں تو کیا صرف ایک خطّہ کے مجاہدین کی سرفروشی اور جاں بازی ساری دنیا کے مسلمانوں کو فریضۂ جہاد سے سبکدوش کردے گی؟ نہیں اور ہرگز نہیں ـــ عالم اسلام کے ہر علاقہ میں مجاہدین کی ایسی جماعت کی موجودگی ضروری ہے جو اسلامی سرحدوں کی حفاظت کر سکے، کسی خطہ کے مسلمان اگر اس میں مجرمانہ غفلت برتتے ہیں تو وہ ترکِ فریضۂ جہاد کے وبال سے نہیں بچ سکتے۔ خلاصہ یہ کہ

محض چند افراد کا فرض کفایہ کی ادائیگی میں لگ جانا ان چند افراد کو تو گناہ سے بچا سکتا ہے لیکن پوری امت تو فرض کفایہ سے اسی وقت سبکدوش ہوگی جب اتنے افراد اور ایسے افراد اس کام میں لگ جائیں جو بہ حسن و خوبی اسے انجام دے لیں۔

فرض کفایہ کے بارے میں علماء کی تصریحات

فرض کفایہ کی یہ تشریح طبع زاد اور ایجاد بندہ نہیں ہے، بلکہ ہمارے قدیم علماء و فقہا نے اسے صراحۃً اور اشارۃً تحریر فرمایا ہے، علامہ ابن قدامہؒ حنبلی لکھتے ہیں "فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسے وہ لوگ ادا نہیں کریں گے جو اسے انجام دے سکتے ہیں تو سب لوگ گنہگار ہوں گے، اور اگر اتنے لوگ اس کو ادا کرلیں گے جو اس کام کے لیے کافی ہیں تو سب لوگوں کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجائے گا"۔[۱]

مشہور حنفی اصولی اور محقق ابن امیر الحاج لکھتے ہیں "واجب علی الکفایہ ایسا لازمی کام ہے جس کا حصول اور وجود شریعت کو مطلوب ہو، کرنے والوں کی ذات مقصود اور متعین نہ ہو۔ (یعنی شریعت کا مطالبہ صرف یہ ہو کہ وہ کام ہوجانا چاہیے، کرنے والے افراد کوئی بھی ہوں)"[۲]

فقہ شافعی کی مشہور کتاب الاقناع میں ہے "عام حالات میں جب کہ کفار حملہ آور نہ ہوں، اپنے ملک میں ہوں جہاد فرض کفایہ ہے، جب اسے اتنے لوگ انجام دیں گے جو اس کے لیے کافی ہیں تو سب کے سر سے گناہ ختم ہوجائے گا"۔[۳]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں "اسی طرح امر بالمعروف، نہی عن المنکر متعین طور پر ہر فرد پر لازم نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، چونکہ جہاد بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر کا تکملہ ہے۔ اس لیے وہ بھی فرض کفایہ ہے۔ اسی لیے اگر اتنے اور ایسے لوگ فریضۂ جہاد میں نہ لگیں گے

۱۔ المغنی، ج ۱۰ ص ۳۶۴۔ ۲۔ التقریر والتحریر ج ۲ ص ۱۳۵۔

۳۔ الاقناع ج ۵، ص ۴-۵۔

جو اس فریضہ کی ادائیگی کر سکیں تو ہر قادر شخص اپنی قدرت کے اعتبار سے گنہگار ہوگا، کیونکہ جہاد ہر شخص پر اس کی قدرت کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔"[1]

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں "واجب کی فاعل کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔ فرض عین، فرض کفایہ۔ فرض کفایہ وہ واجب ہے جس میں اس کام کا ہونا مقصود ہو، کرنے والے مکلفین میں سے کوئی بھی بعض افراد ہوں۔ اور فرض عین اس کے برخلاف ہے۔ فرض کفایہ کی مثال جہاد ہے، اس کا مقصد مومنین کی حفاظت، دشمن کی تذلیل اور اعلاء کلمۃ الحق ہے، عمل جہاد کے جاری رہنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، جہاد کرنے والی کوئی بھی جماعت ہو۔ اسی طرح اسلام کی حقانیت پر دلائل قایم کرنا اور شکوک و شبہات کو دفع کرنا یہ بھی فرض کفایہ ہے، کیونکہ اس کا مقصد اہل باطل کے شبہات سے دینی بنیادوں کو تزلزل اور ضعف سے بچانا ہے اور یہ مقصد بعض افراد کی انجام دہی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔"[2]

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص اسلوب میں فرض کفایہ کی اسی حیثیت کو نمایاں کیا ہے۔ "فرض کفایہ سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں، نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفرادی، یعنی ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمہ عاید کر دیے گئے ہیں کہ ان کا انتظام کر دیں۔ پس انتظام ہو جانا چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اس میں حصہ بھی لے۔ اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دے دیا تو باقی مسلمانوں پر سے اس وقت ساقط ہو گیا۔ جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ۔ البتہ ایک مسلمان کے لیے عزیمت اسی میں ہوگی کہ ادائے فرض کفایہ میں بھی شخصاً حصہ لے ـــــ فرض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں بلکہ جماعت سے ہے۔ پس ہر مسلمان جماعت و آبادی کو اس کا انتظام کر دینا چاہیے، جب انتظام

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۱۲۶ [2] کشاف اصطلاحات الفنون، ص ۱۴۴۷۔

ہو گیا تو اس آبادی کے بقیہ افراد پر اس کا وجوب باقی نہ رہے گا۔[1]

فرض کفایہ کے بارے میں مزید چند فوائد فرض کفایہ کی مخاطب تو پوری امت مسلمہ ہے لیکن امت کے ہر فرد پر اس کی ادائیگی کی یکساں ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کی صلاحیت اور قدرت کے اعتبار سے اس پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اگر فرض کفایہ کی ادائیگی نہیں کی گئی تو ہر شخص اپنی قدرت وصلاحیت کے اعتبار سے گنہگار ہوگا۔ فرض کفایہ کے اولین مخاطب وہ افراد ہیں جن میں اسے ادا کرنے کی پوری صلاحیت ہے، ان کے بعد ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو خود اس فریضہ کی ادائیگی کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن باصلاحیت افراد کو اس کے لیے تیار کر سکتے ہیں یا اس کی ادائیگی میں کسی قسم کا تعاون کر سکتے ہیں۔ مثلاً غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوتِ اسلام فرض کفایہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے اصل ذمہ دار امت کے وہ افراد ہیں جو اپنے علم وفضل، ذہانت و تدبر اور بعض دوسری صفات کی بنا پر اس فریضہ کو بہ حسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ امت کے بقیہ افراد خود اس فریضہ کی ادائیگی کے اصل ذمہ دار تو نہیں ہیں لیکن اس بات کے مکلف ضرور ہیں کہ اس ادائیگیِ فریضہ میں جس قسم کا تعاون پیش کر سکتے ہوں پیش کریں، مثلاً فریضہ کی ادائیگی میں مشغول ہونے افراد کی اخلاقی و معاشی امداد، ان کی ضروریات کا تکفل، اس کام کے لیے فضا ہموار کرنا اور سینہ سپر ہونا۔ ان دونوں جماعتوں سے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں جس قدر غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے اسی حساب سے ان سے مواخذہ ہوگا۔

علامہ شاطبیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الموافقات میں فرض کفایہ پر قدرے مبسوط بحث کی ہے۔ انھوں نے پہلے مفصل اور مدلل انداز میں یہ بات ثابت کی ہے کہ فرض کفایہ کے اصل اور اولین مخاطب صرف وہ افراد ہیں جن میں اسے ادا کرنے کی

---

[1] مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب ص ۱۶۱۔

صلاحیت ہے۔" پھر لکھتے ہیں "لیکن مجازی طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرض کفایہ سارے افراد پر لازم ہے، کیوں کہ فرضِ کفایہ کی ادائیگی ایک قومی اور عمومی ضرورت کو پورا کرنا ہے، لہٰذا فی الجملہ سب لوگوں سے اسے پورا کرنے کا مطالبہ ہے۔ جن لوگوں میں اسے ادا کرنے کی صلاحیت ہے وہ تو براہ راست اس پر قادر ہیں، بقیہ افراد جن میں اسے ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، وہ لوگ اگرچہ خود اس پر قادر نہیں ہیں لیکن اس بات پر تو قادر ہیں کہ قدرت وصلاحیت رکھنے والے افراد کو اس کام کے لیے تیار کریں، لہٰذا قدرت رکھنے والے افراد سے تو اس فریضہ کی ادائیگی کا مطالبہ ہے اور قدرت نہ رکھنے والوں سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ قدرت رکھنے والوں کو آگے بڑھائیں اور اس کی ادائیگی پر آمادہ کریں۔"[۱]

امام الحرمین نے تحریر فرمایا ہے کہ ثواب کے حصول اور درجات بلند کرنے میں فرض کفایہ فرضِ عین سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ کوئی انسان اگر فرضِ عین پر عمل نہ کرے تو صرف اسی کو گناہ ہوگا اور اگر اسے ادا کرے تو صرف اسی کو ثواب ملے گا۔ اس کے برخلاف کسی فرض کفایہ پر عمل نہ ہونے کی صورت میں درجات ومراتب کے فرق سے سب مکلف مسلمان گنہگار ہوں گے۔ تو فرض کفایہ ادا کرنے والا اپنے علاوہ تمام مخاطبین کو تنگی اور عذاب سے بچا رہا ہے۔ دین کی مہمات میں جو شخص تمام مسلمانوں کی قائم مقامی کر رہا ہے اسکی بلندئ درجات کا کیا پوچھنا۔[۲]

امام الحرمین اس کے علاوہ ایک اور بڑے پتے کی بات لکھتے ہیں، فرماتے ہیں، "جن چیزوں کو فرض کفایہ کہا جاتا ہے، ان کی ادائیگی کبھی کبھی متعین طور پر بعض لوگوں پر لازم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کے رفیقِ سفر کا انتقال ہو جائے اور وہاں اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو غسل، تکفین وتدفین کا فریضہ متعین طور پر اسی کے ذمہ واجب ہے۔ یا

---

[۱] الموافقات، ج ۱ ص ۱۷۹، ۱۷۸۔ [۲] غیاث الامم فی التیاث الظلم، ص ۳۵۸۔

مثلاً کسی کو ایسے مسلمان ملیں جو مخمصہ اور اضطرار کی حالت میں ہوں اور وہ شخص ان کی بھوک دور کر سکتا ہے ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ اور صورتِ حال ایسی ہے کہ اگر وہ دوسرے دن پر ٹال کر وہاں سے آگے بڑھ جائے گا تو اندیشہ ہے کہ وہ مسلمان وہیں ہلاک ہو جائے گا اس صورت میں پانے والے کے ذمہ ان کی مدد و کفالت ضروری ہے[۱]

دعوتِ اسلام سے مسلمانوں کی غفلت

غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ اور مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ دونوں دعوت الی الخیر کے مستقل شعبے ہیں۔

آج کل مسلمانوں میں تھوڑا بہت دعوت و تبلیغ، اصلاح و تربیت کا کام ہو رہا ہے، جو جماعتیں یا افراد یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں وہ انتہائی خوش قسمت اور لائق مبارکباد ہیں، ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون مسلمانوں کی اہم ذمہ داری ہے۔ اگرچہ ان دعوتی کوششوں کے بارے میں یہ کہنا اور سمجھنا مشکل ہے کہ فرض کفایہ کی ادائیگی کے لیے جس انداز اور جس پیمانے پر محنت درکار ہے وہ ہو پا رہی ہے۔ لیکن غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کا میدان بالکل خالی پڑا ہے۔ عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں میں یکّا دکّا جو محنتیں ہو رہی ہیں، ان سے انکار نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ نبی آخر الزماں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں والے کام کی جو ذمہ داری اس امت کے سر ڈالی گئی ہے اس کی ادائیگی کسی کمزور سے کمزور شکل میں بھی ہم مسلمانوں سے ہو پا رہی ہے؟

جو شخص حالات کا جائزہ لے کر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے گا اس کا دل گواہی دے گا کہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ہم مسلمان مجرمانہ غفلت سے کام لے رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہر ہر ملک میں داعیوں اور مبلغوں کی ایسی جماعت سرگرمِ عمل ہوتی جو اس ملک کے غیر مسلموں کی زبان، نفسیات اور حالات سے باخبر رہ کر مناسب اور مؤثر انداز میں ان کے سامنے اسلام کا لازوال اور دلکش پیغام

---

[۱] غیاث الامم فی التیاث الظلم۔ ص ۳۵۹ - ۳۶۰

پیش کرتی اور اس سلسلے میں جدید وسائل و ذرائع سے بھی پورا فائدہ اٹھاتی۔ اپنے عمل و کردار سے بھی تبلیغ و دعوتِ دین کا کام لیتی لیکن افسوس ہے کہ کسی ملک میں بھی ایسی جماعت کا سراغ نہیں ملتا اور اگر بالفرض کسی ملک میں یہ کام ہو رہا ہو تو دوسرے ممالک کے مسلمان تو اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ جس طرح مصر و شام میں فریضۂ جہاد کی ادائیگی سے، اردن و عراق کے مسلمان جہاد کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایک ملک یا ایک شہر میں غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کا کام ہونے سے دوسرے ملک اور شہر کے مسلمان اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

ناقابل قبول عذر و توجیہہ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت نہ کرنے کے لیے یہ وجہ جواز پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ہماری قوم خود ہر طرح کے فسق و فجور میں گرفتار ہے، ان میں خود بڑے پیمانے پر اصلاحی اور تبلیغی کوششوں کی ضرورت ہے، اس لیے ابتداءً ہماری توجہ مسلمانوں کی اصلاح کی طرف ہونی چاہیے پہلے ہمیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے اس کے بعد غیر مسلموں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اپنی قوم کی مکمل اصلاح کے بعد ہم پر غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری عاید ہو گی۔

یہ توجیہہ بہ ظاہر بہت دلکش اور اطمینان بخش نظر آتی ہے لیکن اسلامی اصولوں پر پرکھنے کے بعد اس کا کھوٹا پن سامنے آجاتا ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں تبلیغ و دعوت اور غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام یہ دونوں امت مسلمہ کی دو الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔ محض ایک ذمہ داری کو ادا کرنے سے امت مسلمہ دونوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتی، جس طرح نماز ادا کرنے سے ایک شخص روزے سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ان میں سے ایک ذمہ داری کما حقہ، ادا نہیں ہو پا رہی ہے تو یہ بات دوسری ذمہ داری کو ترک کرنے کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ مثلاً ایک شخص جو پابندی سے نمازیں نہیں پڑھ پاتا وہ اگر روزہ نہ رکھنے کا یہ عذر پیش کرنے لگے کہ چونکہ میں پابندی سے

نماز ہی نہیں پڑھ پاتا اس لیے فی الحال روزے کی ذمہ داری میرے سر عاید نہیں، کوشش کر رہا ہوں، جب نماز با جماعت کا پورا پابند ہو جاؤں گا اس کے بعد رمضان کے روزوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں گا۔ تو اس کا یہ عذر مضحکہ خیز تصور کیا جائے گا، بالکل یہی حیثیت مذکورہ بالا عذر و توجیہہ کی ہے۔ اور اگر اس توجیہہ کو درست مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کے دروازے کو بند کر دیا جائے، کیونکہ جس دن کے لیے اس کام کو ٹالا جا رہا ہے وہ دن تو قیامت تک نہیں آئے گا۔ ہر دور میں مسلمانوں کے اندر نیکو کاروں کے پہلو بہ پہلو بدکاروں کی جماعت بھی رہے گی اور نیکو کاروں سے بھی بشریت کے تقاضے سے غلطیاں اور نافرمانیاں سرزد ہوں گی، جس کی وجہ سے ہمیشہ مسلمانوں میں تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت باقی رہے گی۔ پھر آخر وہ دن کب آئے گا جب مسلمانوں پر غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری عاید ہوگی۔؟

تبلیغِ اسلام کی اہمیت و فضیلت

غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و دعوت چونکہ دراصل انبیاء کرام والا کام ہے، اس لیے اس کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن میں اس حقیقت کا اعلان کرایا گیا ہے:

قل هٰذه سبيلي ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني وسبحان الله وما انا من المشركين۔ [له]

اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجیے میری راہ تو یہی ہے کہ میں پوری بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی، اور خدائے تعالیٰ ہر عیب سے منزہ ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دعوت الی اللہ کی اہمیت و عظمت کا اندازہ اللہ جل شانہ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے:

ل سورہ یوسف آیت ۱۰۸۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ؎۱

اور بات کے اعتبار سے اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور خود بھی نیک کام کرتا رہے اور یوں کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کی کس قدر لگن تھی، اور ان کے ایمان نہ لانے کا کس قدر حزن وملال تھا اس کا اندازہ اس آیت سے لگایا جا سکتا ہے۔

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ہ ان نشأ ننزل علیھم من السماء آیۃ فظلت اعناقھم لھا خاضعین ؎۲

اے پیغمبر آپ شاید ان کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں کہ اس نشانی کے سامنے ان کی گردنیں پست ہو کر رہ جائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل مکہ اور اہل عرب کو دین کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاں تک آپ سے پیغام پہنچ سکا پہنچایا، دنیا کے مشہور بادشاہوں کو خطوط کے ذریعہ ایمان واسلام کی دعوت دی۔ قریش کے لوگوں نے آپ کو ہر طرح اسلام کی دعوت سے باز رکھنا چاہا، مال و دولت، سرداری، بادشاہت ہر چیز کی لالچ دلائی لیکن آپ اپنے موقف پر جمے رہے۔ جب آپ کے چچا ابو طالب نے قریش کی بات آپ تک پہنچائی تو آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا:

یا عم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او

چچا جان: اگر وہ لوگ سورج میرے دائیں ہاتھ میں لا کر رکھ دیں اور چاند بائیں ہاتھ میں، تب بھی میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ

؎۱ سورۂ حٰم السجدہ، آیت ۳۳ ۔ ؎۲ سورۃ الشعراء آیت ۳-۴

اهلك فيه ما تركته قال ثم استعبر رسول الله فبكی [۱]

اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرمادیں یا اسی راہ میں میں ہلاک ہو جاؤں"۔ پھر نبی اکرمؐ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور رو پڑے۔

اسلام کی تبلیغ و دعوت کے لیے جو تڑپ، دل سوزی اور فکر مندی نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی اگر اس کا ایک شرارہ بھی ہم مسلمانوں کے حصہ میں آجائے تو دنیا کی تقدیر بدل جائے۔

بخاری، مسلم وغیرہ کی روایت ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر جب حملہ کرنے کے لیے نبی اکرمؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو آپ نے ان سے یہ بھی ارشاد فرمایا:

فوالله لان يهدى الله بك رجلا خيرلك من ان يكون لك حمر النعم [۲]

خدا کی قسم، اگر تمہارے ذریعہ اللہ جل شانہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (سرخ اونٹ عرب میں بہت قیمتی شمار کیے جاتے تھے۔)

صحیح مسلم کی روایت ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله قال: من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا،

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی دعوت دیتا ہے اس کی پیروی کرنے والوں کو جو ثواب ملتا ہے اتنا ہی اس کو ثواب ملتا ہے لیکن اس سے

---

[۱] السیرة النبویہ لابن هشام ج ۱ ص ۱۷۰۔ برحاشیہ الروض الانف۔

[۲] صحیح بخاری کتاب المغازی باب ۶۰ وہ خیبر صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل علی بن ابی طالب

ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لا ینقص ذلک من آثامھم شیئا۔[1]

اتباع کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور جو شخص گمراہی کی دعوت دیتا ہے، اس کی پیروی کرنے والوں کو جتنے گناہ ملتے ہیں اتنے ہی تنہا اس کو ملتے ہیں لیکن اس سے پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں آتی۔

کتب تفسیر میں حضرت حسنؓ سے یہ روایت درج ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "جو شخص امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے، وہ دنیا میں اللہ اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کا خلیفہ و جانشین ہے[2]"۔ سبحان اللہ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے جو ایک مسلمان کو امر بالمعروف نہی عن المنکر، دعوت الی الخیر سے حاصل ہوتا ہے، بہ یک وقت اللہ، رسول اللہ کتاب اللہ کی خلافت و نیابت، مسلمان جس قدر بھی اس اعزاز و اکرام کو حاصل کرنے کے لیے محنت کریں کم ہے۔

تبلیغ اسلام انسانی نقطۂ نظر سے صرف شرعی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ عقلی اور انسانی نقطۂ نظر سے بھی مسلمانوں پر غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کا فریضہ عاید ہوتا ہے۔ ذرا بتائیے کہ اگر ایک شخص خطرناک راستہ پر قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے، اس راستے میں خونخوار درندے انسان کو پھاڑ کھانے کے لیے گھات میں ہیں آپ کو اس راستہ کے خطرات کا پورا علم ہے، اس جانے والے شخص سے آپ کی بار بار کی ملاقات ہے بلکہ وہ آپ کا قرابت دار اور پڑوسی بھی ہے، تو کیا یہ آپ کی انسا

---

[1] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ۔ ومن دعا الی او ضلالۃ۔

[2] تفسیر قرطبی ج ۲ جزء ۴ ص ۴۷

ذمہ داری نہیں ہے کہ اس شخص کو جس طرح ممکن ہو اس راستے پر چلنے سے باز رکھیں۔؟ ایسے موقع پر آپ کی خاموشی انتہائی مجرمانہ حرکت تصور کی جائے گی یا مثلاً کوئی شخص کسی خطرناک مرض میں گرفتار ہو کر جاں بہ لب ہے زندگی سے مایوس ہو چکا ہے اور آپ کے پاس اس مرض کی ایسی مجرب دوا ہے جس سے اس کی شفا یقینی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ مریض کو وہ دوا نہیں دیتے یا اس کا پتہ نہیں بتاتے تو دنیا آپ کے اس طرز عمل کو کن الفاظ میں یاد کرے گی —— اسی طرح جب مسلمانوں کا ایمان ہے کہ کفر و شرک کا نتیجہ ہمیشہ کی تباہی اور جہنم کا ہولناک دائمی عذاب ہے تو کیا یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے کہ غیر مسلموں کو (جو انسانی رشتہ سے ان کے بھائی ہیں) جہنم کی آگ اور آخرت کے عذاب سے بچانے کی تدبیر کریں؟ اس کی واحد تدبیر یہی ہے کہ انھیں پورے زور اور قوت سے اسلام کی دعوت دی جائے۔ یہ کتنی بڑی بے دردی اور سنگدلی ہے کہ جن انسانوں سے ہمیں بار بار سابقہ پڑتا ہے، جو زندگی کے مختلف میدانوں میں ہمارے شانہ بشانہ کام کرتے ہیں، جو ہمارے مخلص خادم اور ماتحت ہیں، جو ہمارے زندگی بھر کے پڑوسی اور بہی خواہ ہیں ان کے ساتھ ہم اتنی بھی بہی خواہی نہ کر سکیں، زندگی میں ایک بار بھی ہمیں ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کی توفیق نہ ہو۔

دعوتِ اسلام امت مسلمہ کا ہتھیار مسلمانوں کے لیے اسلام کی تبلیغ و دعوت اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ان کا ملی وجود خطرہ سے محفوظ رہے۔ دعوت ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعہ مسلمان دوسری تحریکات اور مذاہب کے نظریاتی اور ثقافتی حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جو قوم داعیانہ صفات کھو کر جمود و تعطل کا شکار ہو جاتی ہے وہ بہت جلد کسی دوسری دعوت و تحریک کے اثرات قبول کر کے اپنا ملی تشخص کھو بیٹھتی ہے —— تاریخ گواہ ہے کہ جن ملکوں میں مسلمان داعیانہ جوش و جذبے کے ساتھ زندہ رہے وہاں ان کی جڑیں مستحکم ہوتی رہیں اور وہ باطل افکار و

نظریات کے اثر سے محفوظ رہے ہے۔ اور جس ملک کے مسلمانوں میں داعیانہ جذبہ و امنگ کا فقدان ہوگیا ان کی ملی بنیادیں متزلزل ہوگئیں ـــــ اندلس کے مسلمان دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے کس چیز میں پیچھے تھے؟ مال و دولت کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ علم و فن، فلسفہ و سائنس میں دنیا کی پیشوائی کررہے تھے لیکن داعیانہ صفات کے فقدان کے بعد کوئی دنیاوی اور علمی ترقی ان کے قومی اور مذہبی وجود کی ضامن نہیں بن سکی۔ ہندوستانی مسلمانوں میں اگرچہ کچھ نہ کچھ داعیانہ اسپرٹ شروع سے رہی اور اب بھی قدرے موجود ہے لیکن داعیانہ جوش و جذبہ میں کمی کی وجہ سے صدیوں اس ملک میں رہنے کے باوجود ان کی بنیادیں مستحکم نہیں ہوئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام اس لیے ضروری ہے کہ یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے، انسانی ہمدردی کا تقاضہ ہے، اپنی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، ان سب کے علاوہ نیکی اور ثواب کمانے کا بہترین راستہ ہے۔

نہایت ضروری اعلان

ماہنامہ برہان ایک علمی تحقیقی اور دینی پرچہ ہے اس دور میں کاغذ و دیگر اشیاء متعلقہ کی مسلسل گرانی اور مہنگائی کی وجہ سے انتہائی مجبوری میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء سے ماہنامہ برہان کا سالانہ چندہ مبلغ چالیس ۴۰ روپے کر دیا گیا۔

امید کہ قارئین کرام اس کو بخوشی قبول فرمائیں گے اور ایک ٹھوس اسلامی علمی و تحقیقی و مذہبی ماہنامہ کی بقا و ترقی اور اس کی توسیع اشاعت کے لیے کوشش فرمائیں گے۔

شرح چندہ سالانہ:

غیر ملکی بحری ڈاک سے	-/75 روپے
ہوائی ڈاک سے	-/125 "
ہندوستان سے	-/40 "

خادم ـ منیجر برہان دہلی۔